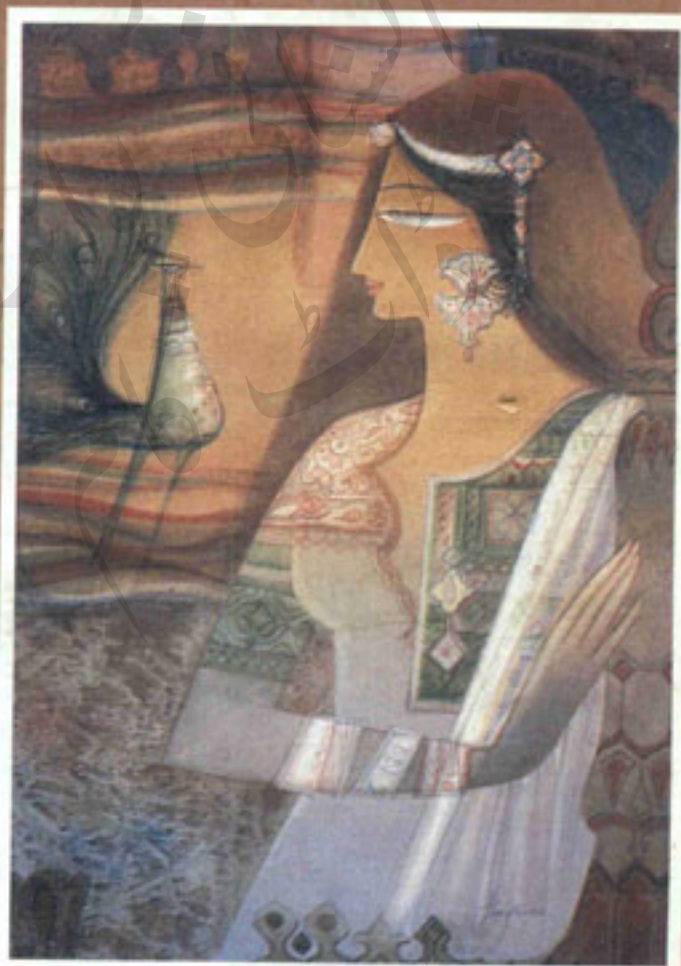


فاصلے ایسے بھی ہوں گے



عدیم ہاشمی

انتساب نمبر 1

ماں کے نام

جو میری عبادت ہے

میٹھو کے نام

جو میری محبت ہے

رؤا کے نام

جو میری جان ہے

انتساب نمبر 2

اپنی بڑی بہن

مسز شاہ

کی خداداد بے نیاز یوں

کے نام

انتساب نمبر 3

انجم خلیق

اور

خرم خلیق

کے دائمی تعلق اور مستقل محبت

کے نام

انتساب نمبر 4

بطور خاص اپنے پیارے دوست

ڈاکٹر افتخار نسیم کے نام

جس کی شاعری میرے لئے ہمیشہ تحریک کا باعث رہی ہے

فہرست

وعدے کا پاس

مکالماتی سلام

1. آیا ہوں سنگ و خشت کے انبار دیکھ کر

2. فیصلہ یہ تو کرو وقتِ سفر سے پہلے

3. بڑی مشکل تھی نئی راہ گزر سے پہلے

4. جب یہ ہو کہ لکھا ہوا تقدیر میں کیا ہے

5. کارواں بدلو ذرا محمل بدل کر دیکھ لو

6. پہلے تو دل وفا سے بھی آگے نکل گیا

7. درد ہوتے ہیں کئی دل میں چھپانے کے لیے

8. حیراں ہوں سارے شہر کا کردار دیکھ کر

9. تم جی کے دیکھ لو کہ یہاں مر کے دیکھ لو

10. دریا سے کوہ سار سے پہلے کی بات ہے

11. جب یہاں کرو گے تم ہم یہاں میں نکلیں گے

12. کر کے دفلا پلٹ کے وفاما گئے لگا

13. راز دل عام کر گئے آنسو

14. اسے پانا تھا اس کو کھونا تھا

15. خاک پر جب بھر گئے آنسو

انتساب نمبر 5

ڈاکٹر ابرار عمر اور تعارف اللہ خاوری

کی بے لوث محبتوں کے نام

17

19

21

23

25

27

30

32

34

36

38

40

42

44

46

48

104	42. پہلے فلک پہ نور کا مینار بن گیا	50	16. کوئی پتھر کوئی گھر کیوں ہے
106	43. غم بھی وہیں پہ رہ گیا ہم بھی وہیں پہ رہ گئے	52	17. کوئی اتنا تو سر ہے آخر
108	44. زندہ عدیم رہ گئے ہم تھے جو غم کو سہہ گئے	54	18. پہلے اس دہلیز سے تو سر لگے
110	45. کس حوالے سے مجھ کس کا پتہ یاد آیا	56	19. پھر وہی دیوار وہی در لگے
112	46. غم ہے وہیں پہ غم کا سارا گزر گیا	58	20. یہ تو نہیں عروج بہاراں چشیدہ ہوں
114	47. طالب ہیں ترے عدل کے زنجیر بھی میں بھی	60	21. کس خود غرض جہان میں آنا پڑا مجھے
116	48. پھر جرم محبت بھی ہے تقدیر بھی میں بھی	62	22. ملے رہے ہیں عمر بھر علیحدہ نہیں ہوئے
118	49. فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا	64	23. فیصلہ اس نے سنایا بھی نہیں تقصیر کا
120	50. تم بھی اپنے سارے چلے جاؤ گے ہم بھی.....	66	24. شامل تھا یہ ستم بھی کسی کے نصاب میں
122	51. تم گئے ساری محفل اجڑ جائے گی.....	68	25. اک بل بغیر دیکھے اسے کیا گزر گیا
124	52. اسی ایک فرد کے واسطے مرے دل میں درد ہے کس لیے	70	26. کشتی ابھی اٹھی ہی نہیں تھی دکان سے
126	53. کیوں اداس ہیں شجر اے عدیم ہاشمی	72	27. نکلے گی جب بھی روح بدن کی کمان سے
		74	28. آنکھوں میں آنسوؤں کو ابھر نے نہیں دیا
		76	29. خط چھپے گا کس طرح سے محرم دلگیر کا
		78	30. منزلوں کا پتہ لگانا کیوں
		80	31. بارش ہے آنسوؤں کی زمیں پر جھڑی ہوئی
		83	32. کیسی بھلائیہ برہمی کیسا یہ بیچ و تاب ہے
		85	33. زندگی صرف اسی دھن میں گزارے جائیں
		88	34. وہ جس نے کچھ کہا ہی نہیں تھا جواب میں
		90	35. اپنے ہی دست و پا مرے اپنے رقیب ہو گئے
		92	36. جب اسے چاہا تو چاہا ہر طرح کے حال میں
		94	37. چل دیا وہ دیکھ کر پہلو مری تقصیر کا
		96	38. کچھ لوگ جن کو فکر زیاں دے دیا گیا
		98	39. آنکھوں میں تیری آنکھ کا جادو دکھائی دے
		100	40. بڑی سی عمر ہوئی دودھیا سے بال ہوئے
		102	41. اک میں اور اس پہ وہ بھی مر لیا رہن گیا

## وعدے کا پیاس

شاعر سے باتیں کرتے وقت مختلف لوگوں کی مختلف اپروچ ہوتی ہے۔ اس تجربے سے تقریباً ہر شاعر گزرتا ہے۔ اور خصوصاً جس شاعر کی شاعری ذرا پاپولر ہو جائے اسے تو ان مراحل سے بار بار گزرتا پڑتا ہے۔

مجھے اپنی غزل ”فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا“ کے لیے بہت سے لوگوں کو بہت سی Explanations دینا پڑی ہیں۔ اکثر لوگوں نے پوچھا کہ یہ غزل کب کئی تھی..... کس کے لیے کئی تھی؟ کیا وہ سامنے بیٹھا تھا یا صرف یہ شعر ہے؟ پھر یہ کہ آپ نے کس کی محبت میں یہ شعر کہا..... پھر یہ کہ اس فاصلے کے بعد پھر ملاقات ہوئی یا نہیں... کیا پھر کسی اور سے محبت کر لی.... وغیرہ وغیرہ....

اب جب میں نے اس کتاب کا نام ”فاصلے ایسے بھی ہوں گے“ رکھا تو یہ سارے سوالات میرے ذہن میں ابھرنے لگے۔ سوچا اس دفعہ ان سوالات کا تحریری جواب دے دوں۔ ویسے بھی پچھلی کتابوں کے خشک دیباچوں سے مجھے خود بھی شدید پیاس کا احساس ہو رہا تھا۔ اس لیے اب کے اس رومانی سی کتاب کار رومانی سا دیباچہ لکھنے کا ارادہ کر لیا۔ اور سوچ لیا کہ اب کے سب کو اپنی محبتوں کے بارے میں بتا ہی دوں اب تو میری بیوی سے میری انڈر سٹینڈنگ بھی بہت ہو چکی ہے اب گھر میں فساد بھی نہیں پڑے گا۔ اور لوگوں کو پتہ بھی چل جائے گا کہ ”فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا“ میں نے کس کے لیے لکھا تھا پھر خیال آیا کہ جس کے لیے لکھا تھا کہیں اس کے گھر میں فساد نہ پیدا ہو جائے۔ چلو اس کا نام لیے بغیر یہ داستان قارئین کو سناتا ہوں۔ لیکن اگر نام نہ لکھا تو پھر قارئین کو پتہ کیسے چلے گا۔ اور یہ داستان سناتے کا فائدہ کیا ہو گا؟ اور ابھی تو ”کٹ ہی گئی جدائی بھی کب یہ ہوا کہ مر گئے“ کی-Explanations بھی رہتی ہیں پھر اور بھی بہت سی غزلیں ہیں۔ ان سب کا کیا ہو گا۔

میں یہی کچھ سوچتا ہوا پاک فی ہاؤس پہنچ گیا۔ جہاں حلقہء ارباب ذوق کا سالانہ انکیشن ہو رہا تھا اور جہاں مجھے 18 سال بعد اپنا ووٹ کاسٹ کرنا تھا.... میرے وہاں پہنچتے ہی بہت سے احباب نے مجھ سے میری نئی کتاب کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا.... تمہاری نئی کتاب کب آرہی ہے؟ میں نے کہا ٹھیک بیس (20) دن بعد۔ کہنے لگے، دیباچہ لکھ رہے ہونا....؟ میں نے کہا ظاہر ہے۔ کہنے لگے، دیا

اس نے ہنسی ہنسی میں محبت کی بات کی  
میں نے عدیم اس کو مکر نے نہیں دیا

میں گھوم پھر کر ختم ہو گیا ہو گا۔

”مال خرام ہو دینے خرام رفت“

لیکن ایسا بھی کیا کہ اس کا سارا پیسہ ہی ختم ہو گیا ہو.... پھر اس نے ہمیں دہنٹی کی آفر بھی دی۔ کہ اب دہنٹی میں سیٹل ہو رہا ہوں۔ اور تم لوگوں کے ساتھ دہنٹی میں کسی ایسے سے ریٹورنٹ میں کسی ایسے سے ماحول میں باتیں ہوں گی۔ بس تم احمد ندیم قاسمی اور اس کے گردہ کو معاف کر دو.... اگرچہ میں تمہارے ساتھ Agree کرتا ہوں۔ پھر بھی میرے کہنے پر چھوڑ دو۔ میری اب کی غریبی پر رحم کھاتے ہوئے میری بات مان لو۔ (تا کہ اُن کے سامنے اس کے کچھ نمبر بن جائیں)

میں نے سوچا کہ کیسا کالیاں آدمی ہے۔ جن کے سامنے سرمایہ داری سے کام چلا سکتا ہے وہاں سرمایہ خرچ کر کے کام چلاتا ہے۔ اور ہمارے سامنے غریبی سے کام چل سکتا ہے۔ ہم حساس شاعر ہیں غریبی اور دکھ درد پر رحم کھانے والے لوگ ہیں اس لیے ہمیں غریب بن کر Exploit کر رہا ہے۔

پھر بھی ہم نے کہا کہ نہیں.... ہم ان ادبی یزیدوں کو معاف نہیں کر سکتے.... پھر اس نے کچھ درد بھری نظمیں سنائیں۔ اور اس کا یہ حربہ کار آمد ثابت ہوا اور ہمارے دل پگھل گئے۔ پھر ہم نے کہا کہ اگر ان لوگوں نے تمہیں اپنا نمائندہ بنا ہی لیا ہے اور تم غریب ہو ہی گئے ہو۔ تو چلو ہم تمہاری درخواست مان لیتے ہیں۔ لیکن اس شرط پر کہ وہ یہاں آکر ہمارے سامنے اقبال جرم کریں اور وعدہ کریں کہ آئندہ وہ کسی شاعر یا ادیب کو اپنی ادبی یزیدیت سے ہارٹ اٹیک نہیں دیں گے تو ہم انہیں معاف کر دیں گے اور وہ بھی صرف اور صرف احمد ندیم قاسمی کو.... ان کے ٹولے کو نہیں.... اس نے کہا کہ ٹھیک ہے.... میں کل اسی وقت انہیں یہاں لے آؤں گا.... میں نے کہا ممکن نہیں کہ وہ یہاں آئیں اور ہمارا سامنا کر سکیں.... اس نے کہا.... سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا.... میں کون اور وہ نہ آئیں.... کل اسی وقت یہاں.... اور وہ چلا گیا میں اور فرحت شاہ اور اعجاز توکل پیچھے رہ گئے.... میں نے کہا وہ نہیں آئیں گے.... فرحت نے کہا وہ ضرور آئیں گے.... اس کی بات کون ٹال سکتا ہے باباجی.... اور میں بھی سوچ میں پڑ گیا.... پھر میں نے کہا واقعی.... اس نے تو ایک گھنٹے کے نوٹس پر اسلام آباد ”میریٹ“ میں سب لوگ اکٹھے کر لیے تھے۔ اس لیے کہ Five Star Dinner کون شاعر اور ادیب چھوڑ سکتا ہے.... سوائے فراز کے.... وہ جتنا بدمعاشی کر دار کسی لیکن اس سرمایہ دار کے پیچھے دم ہلانے والوں میں سے نہیں.... نہ ہی اس کے سرمائے کے زور پر اسے شاعر ماننے والوں میں سے ہے.... حالانکہ ایک گھنٹے کے نوٹس پر اس نے فتح محمد ملک تک کو نہ صرف ”میریٹ“ میں بلال بلکہ اپنی کتاب پر فتح محمد ملک سے چند الفاظ بھی ایک ڈنر کے عوض اگوا لیے.... اور یہ صرف ایک گھنٹے کا نوٹس تھا.... اب تو اس کے پاس چوبیس گھنٹے ہیں.... اور جن لوگوں کو وہ لینے جا رہا ہے وہ تو کسی بھی سرمایہ دار اور صاحب اقتدار کے سامنے اپنے کپڑے تک اتار دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں.... اور صاحب اقتدار اگر حکمران بھی ہو تو اسے ”میر المومنین“ تک کہنے سے گریز نہیں کرتے یقین نہ آئے تو ضیاء الحق کے زمانے کے ”جنگ“ اخبار کے کالم دیکھ

ہی لکھ رہے ناں جیسے پچھلے دیا ہے ہیں؟ میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگے.... تمہاری ”ترکش“ اور ”چہرہ تمہارا یاد رہتا ہے“ کے دیا ہے ہمارے دلوں کی آواز ہیں۔ بلکہ بہت سے ایسے دلوں کی آواز بھی ہیں جو بالکل یسی سوچتے ہیں۔ محسوس بالکل یسی کرتے ہیں لیکن کہہ نہیں سکتے۔ تم نے ان بڑے بڑے ناموں سے پردہ اٹھا کر ان کے اصلی روپ لوگوں کو دکھا کر ایک ایسا کارٹوٹاب کیا ہے جو تم ہی کر سکتے تھے.... میں نے کہا۔ میں تو کتاب لکھتا ہی دیا ہے لکھنے کے لیے ہوں.... بلکہ دیا ہے میں کچھ غزلیں لگا دیتا ہوں.... پھر ساتھ ہی میں سوچ میں ڈوب گیا.... میں نے تو سوچا تھا کہ میں اس دفعہ رومانی دیا ہے نکھوں گا.... یا زیادہ سے زیادہ ادبی دیا ہے لکھنے والا تھا یہ حقیقی بلکہ تحقیقی دیا ہے پھر سچ میں کہاں سے آگیا.... اور پھر اس کے ساتھ ہی مجھے کچھ لوگوں سے کیے ہوئے وعدے یاد آنے لگے۔ کچھ لوگوں کے چہرے آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ جنہوں نے کہا تھا کہ اب ان لوگوں کو معاف کر دو۔ وہ یقیناً تمہارے گنہگار ہیں تم نے جو لکھا ہے حرف بہ حرف ٹھیک لکھا ہے۔ ہم تمہارے ساتھ Agree کرتے ہیں۔ لیکن اب ایسا بھی نہیں کہ انہیں معاف ہی نہیں کیا جاسکے۔ پھر مجھے ”ہالی ڈے ان“ اور ”آواری“ کے ڈنر یاد آنے لگے۔ اور ایک سرمایہ دار کی ساجتیں یاد آنے لگیں۔ جو اس نے فرحت شاہ کی موجودگی میں کی تھیں.... سرمایہ داروں کی ساجتیں اور ہم غریبوں کے سامنے۔!!! (ارے سبحان اللہ..... بلکہ صوبہ خان اللہ) (یہ صوبہ خان اللہ میں نے فرحت عباس شاہ سے چرایا ہے۔ وہ سبحان اللہ کو صوبہ خان اللہ اس وقت کہا کرتا ہے جب اسے کسی چیز کا بہت ہی مزہ آ رہا ہو.... اور اس وقت میرا بھی یہی حال تھا۔)

لیکن سرمایہ دار کی ان ساجتوں کے بعد میں نے اور فرحت شاہ نے بے یک آواز کہا کہ ”نہیں“ اگر ہم نے ان ادبی یزیدوں کو معاف کر دیا تو ہمارا مشن ادھر اور ہمارے جانے گا۔ اور پھر لوگ یہ کہیں گے کہ ہم ایک سرمایہ دار کے ہاتھوں بک گئے ہیں.... ہم نے تم سے کروڑ کروڑ روپیہ لے لیا ہے.... (جی ہاں وہ سرمایہ دار بڑے بڑے ادبی مفادات کی خاطر چھوٹے چھوٹے شاعروں اور ادیبوں کو ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر کروڑ کروڑ روپیہ ہی دیا کرتا ہے۔ بلکہ کئی دوستوں کو ان کی پرانی وفاداریوں یا معلوم نہیں جتنی کے کن رازوں کے افشا ہونے کے خوف سے ڈھائی ڈھائی ایکڑ کے پلاٹ بھی اسلام آباد میں لے دیا کرتا ہے۔ اور تو اور اپنے ساتھ ساتھ ایک شاعر اور ایک غیر شاعر کو ہرون ملک کے ٹکٹ دے کر مشاعرے بھی پڑھوایا کرتا ہے کیونکہ اس کی آواز پر.... بڑے بڑے چغادری شاعر ہی دم ہلا کر اس کے پیچھے پیچھے نہیں چل پڑتے بلکہ کچھ مسخرے جو مشاعروں کے دلال ہیں اس سے ”انعام“ لے کر اپنا ”حق“ سمجھتے ہوئے اسے پر موٹ کرنے کے چکروں میں بھی نظر آتے ہیں۔ بلکہ صرف مسخرے نہیں مسخرے سفیر بھی اس کے ٹکوتے چانتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں)

اس نے ہم سے کہا میں تو اب غریب ہو چکا ہوں۔ اب تم پر یہ الزام نہیں آسکتا میرا سب کچھ مٹ چکا ہے.... میرا پیسہ ختم ہو چکا ہے۔

ہم نے سوچا اس کا کونسا اپنا پیسہ تھا۔ سنگاپور اور تھائی لینڈ گھوم پھر کر کیا ہوا مال تھا۔ پاکستان

بہر حال.... اس کے بعد کیا ہوا.... وہ آئے کہ نہیں.... میں اس لیے نہیں بتانا چاہتا کہ مجھے سرمایہ دار بلکہ ”غریب“ کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کا پاس ہے۔ اس لیے میں اس دفعہ کسی کے خلاف دیباچہ نہیں لکھ رہا ہوں۔ صرف اور صرف رومانی دیباچہ لکھ رہا ہوں۔ اور صرف ان سوالات کا جواب دے رہا ہوں جو اکثر قارئین، سامعین اور میرے مداحین ”فاصلے ایسے بھی ہوں گے“ کے بارے میں کر رہے ہیں اس لیے کہ اب لوگوں کے خلاف لکھتے ہوئے اس سرمایہ دار کے دُزر کا خیال آنے لگتا ہے۔ ان لوگوں کا کوئی کردار ہو یا نہ ہو۔ ہمارا تو کردار ہمیں ملحوظ ہے۔ اسی کردار کے پیش نظر میں ان سوالات کا جواب بھی نہیں دے رہا ہوں جو اکثر (Fans) نے ”کٹ ہی گئی جدائی بھی کب یہ ہوا کہ مر گئے“ کے بارے میں بھی کیے ہیں۔ اس لیے کہ ”اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں“

اب رہی یہ کتاب اور اس کتاب کی باقی غزلوں کا سوال تو یہ کتاب میں نے لکھی ہی اس لیے کہ بہت سے دو نمبر شاعروں اور ادیبوں کا یہ خیال ہے کہ میں اب مکالماتی یا تجرباتی غزلوں کے علاوہ کچھ نہیں لکھ سکتا.... بلکہ مکالماتی غزل کے مخالفین کا ٹولا تو یہ کہنے لگا تھا کہ میں نے مکالماتی غزلیں لکھی ہی اس لیے ہیں کہ اب میرے پاس لکھنے کو کچھ نہیں رہا۔ یہ غزلیں ان دو نمبر شاعروں اور ادیبوں کی طرف ”ہڈیوں“ کے طور پر پھینک رہا ہوں.... لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ یہ غزلیں میں نے صرف انہی کے لیے لکھی ہیں۔ یہ غزلیں میری محبتوں کی آواز ہیں۔ میرے جذباتوں کی آواز ہیں۔ اور یہ غیر تجرباتی غزلیں اس لیے بھی لکھی ہیں کہ میں شاعر ہوں جس وقت جو چاہوں لکھ سکتا ہوں.... میں کسی کا پابند نہیں ہوں کہ صرف وہی کچھ لکھوں جو لوگ چاہیں.... اور یوں بھی جن کو اللہ کی ذات نے صرف ایک ہی طرح لکھنے کا ہنر بخشا ہے وہ صرف ایک ہی طرح لکھیں گے اور جن لوگوں پر اللہ کی ذات نے زیادہ کرم کیا ہے اور انہیں زیادہ پہلوؤں سے شاعری کرنے کا ہنر بخشا ہے وہ زیادہ پہلوؤں سے شاعری کریں گے.... اور اللہ کی ذات کا بے شمار شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے ان لوگوں میں بنایا جن پر اس نے زیادہ تخلیقی عنصر نازل فرمائے۔

جہاں تک میری محبتوں کا تعلق ہے.... تو شاعری محبتوں اور نفرتوں کے امتزاج ہی سے جنم لیتی ہے....

ملنے اور ٹھنڈے کا نام ہی شاعری ہے!

## مکالماتی سلام

کہا: سارے گھروں میں کونسا گھر سب سے اعلیٰ ہے  
جواب آیا کہ اہل بیت کا در سب سے اعلیٰ ہے

کہا: پاکیزگی میں کوئی پردہ جو مثالی ہو  
کہا: بنتِ نبی کے سر کی چادر سب سے اعلیٰ ہے

کہا: معراج سر کٹنے کی جنگوں میں کوئی دیکھی  
جواب آیا جو سجدے میں کٹا سر سب سے اعلیٰ ہے

عدم ہاشمی

این۔ اے۔ ۲۲۴

سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی



کہا اتنی صفیں ، اک سمت ، چند افراد اک جانب  
کہا 'تعداد میں جو کم ہے شکر سب سے اعلیٰ ہے

کہا 'قربانیوں میں سب سے ارفع ہے عدد کوئی  
تو اک پل میں جواب آیا بہتر سب سے اعلیٰ ہے

کہا اک سمت اک سجدہ ؛ کہا اک سمت اک لشکر  
کہا اس جنگ کا یہ ہی تو منظر سب سے اعلیٰ ہے



آیا ہوں سنگ و خشت کے انبار دیکھ کر  
خوف آ رہا ہے سایہ دیوار دیکھ کر

آنکھیں کھلی رہی ہیں مری انتظار میں  
آئے نہ خواب دیدہ بیدار دیکھ کر

غم کی دکان کھول کے بیٹھا ہوا تھا میں  
آنسو نکل پڑے ہیں خریدار دیکھ کر

کیا علم تھا بھسنے لگیں گے مرے قدم  
میں تو چلا تھا راہ کو ہموار دیکھ کر

ہر کوئی پارسائی کی عمدہ مثال تھا  
دل خوش ہوا ہے ایک گنگار دیکھ کر

یہ بے حسی بھی وقتِ مدد دیکھ لی عدیم  
کترا گیا ہے یار کو بھی یار دیکھ کر



فیصلہ یہ تو کرو وقتِ سفر سے پہلے  
آؤ گے شام سے پہلے کہ سحر سے پہلے

حسن تقسیم کیا جائے کدھر سے پہلے  
ہر طرف سے یہ صدا آئی ادھر سے پہلے

تیرے قدموں کے نشاں ہیں مری چاہت پہ فقط  
کوئی گزرا نہ تھا اس راہ گزر سے پہلے

مجھ پر الزام وفا ٹھیک پر اے وجہ وفا  
کس نے دیکھا تھا محبت کی نظر سے پہلے

حسن موجود تو تھا اپنے سراپے میں عدیم  
حسن معلوم نہ تھا حسن نظر سے پہلے

اس کی صورت بھی تو اک صبح کی صورت ہے عدیم  
دیکھ لی ہم نے سحر وقت سحر سے پہلے



بڑی مشکل تھی نئی راہ گزر سے پہلے  
تھک گئے لوگ کئی وقت سفر سے پہلے

وقت گزرا ترے ملنے کا بڑی تیزی سے  
کٹ گئے شام و سحر ، شام و سحر سے پہلے

پات جھڑنے کا کوئی ڈر نہ کڑی دھوپ کا خوف  
تری چھاؤں تھی عجب ، سر پہ شجر سے پہلے

حسنِ تخلیق کسی حسن سے کچھ کم تو نہیں  
پھول پیڑوں پہ کبھی دیکھ ثمر سے پہلے

سجدہ شکر کسے جا کے کرے جذبہء دل  
کس نے دیکھا تھا محبت کی نظر سے پہلے

کیا دینے ہیں محبت کے سمندر میں عدیم  
کشتیاں ڈوبتی جاتی ہیں بھور سے پہلے



جب یہ ہو کہ لکھا ہوا تقدیر میں کیا ہے  
پھر عدل میں یا عدل کی زنجیر میں کیا ہے

یادیں ہیں تری یا ترے ٹوٹے ہوئے وعدے  
اور اس کے علاوہ مری جاگیر میں کیا ہے

زندانی رفتہ کی بھی آتی ہیں صدائیں  
اس قید میں اس قید کی تعمیر میں کیا ہے

جو دیکھ چکے خواب وہ تم دیکھ چکے ہو  
اب خواب میں یا خواب کی تعبیر میں کیا ہے

اک عمر سے پل کے لیے آنکھیں نہیں جھکیں  
یہ سحر یہ جادو تری تصویر میں کیا ہے

اک لفظ ادھر ، اک ادھر آنکھ میں آنسو  
معلوم نہیں یہ تری تحریر میں کیا ہے

معیار مری چاہ کا دیکھے تو زمانہ  
نقصان ترے حسن کی تشیر میں کیا ہے

لفظوں کا عدیم اس پہ اثر کیوں نہیں ہوتا  
یہ ایک کمی سی مری تحریر میں کیا ہے



کارواں بدلو ذرا محفل بدل کر دیکھ لو  
ایک منزل تو نہیں منزل بدل کر دیکھ لو

کیا ہوئی محفل تمہیں پل میں پتہ چل جائے گا  
ایک لمحے کے لیے محفل بدل کر دیکھ لو

یہ محبت کا شجر ہے یہ یہیں لگ جائے گا  
تم بجائے نخل آب و گل بدل کر دیکھ لو

کیوں ڈھوٹے جا رہے ہو کشتیوں پر کشتیاں  
دور ہے ساحل تو پھر ساحل بدل کر دیکھ لو

کون کتنا چاہتا ہے سب پتہ چل جائے گا  
تم ہمارے ساتھ اپنا دل بدل کر دیکھ لو

صرف دو نقطوں میں ہے دنیا کی ساری روشنی  
ورنہ جو آنکھوں میں ہیں وہ تل بدل کر دیکھ لو

سنگ تو جذبات کو محسوس کر سکتا نہیں  
وہ جو سینے میں دھری ہے سل بدل کر دیکھ لو

اتنا نازک آئینہ رکھنا ضروری تو نہیں  
ٹوٹا رہتا ہے دل تو دل بدل کر دیکھ لو

دوریاں ، دشواریاں سب سامنے آجائیں گی  
ہم سے اک پل کے لیے منزل بدل کر دیکھ لو

ساری دنیا ایک جیسی تو نہیں ہوتی عدیم  
عدل ہے درکار تو عادل بدل کر دیکھ لو

رحم آتا جائے گا اس کو سدا تم پر عدیم  
قتل ہوتا ہے تو پھر قاتل بدل کر دیکھ لو

کیوں در بہ در اُڑائے پھرے خاک کو ہوا  
اب تو بدن فنا سے بھی آگے نکل گیا

اک تیر تھا کمانِ تخیل میں دیر سے  
نکلا تو وہ خدا سے بھی آگے نکل گیا

سانسیں عدیمِ آخری لمحے میں ڈھونڈتا  
میں کوچہ ہوا سے بھی آگے نکل گیا

تو لے کر آگیا ہے دوا کس لیے عدیم  
یہاں تو دعا سے بھی آگے نکل گیا



پہلے تو دل وفا سے بھی آگے نکل گیا  
پھر دل اس انتہا سے بھی آگے نکل گیا

آواز دے کر اس کو بلاؤں میں کس طرح  
وہ تو حدِ صدا سے بھی آگے نکل گیا

نکلی ہے روح نور کی رفتار سے بھی تیز  
پل میں کوئی خلا سے بھی آگے نکل گیا

کچھ دیے دیوار پر رکھنے ہیں وقت انتظار  
کچھ دیے لایا ہوں پیکلوں پر جلانے کے لیے

وہ بظاہر تو ملا تھا ایک لمحے کو عدیم  
عمر ساری چاہیے اس کو بھلانے کے لیے

لوگ زیرِ خاک بھی تو ڈوب جاتے ہیں عدیم  
اک سمندر ہی نہیں ہے ڈوب جانے کے لیے

تو پسِ خندہ لبی آہوں کی آوازیں تو سن  
یہ ہنسی تو آئی ہے آنسو چھپانے کے لیے

کوئی غم ہو کوئی دکھ ہو درد کوئی ہو عدیم  
مسکراتا پڑ ہی جاتا ہے زمانے کے لیے

درد ہوتے ہیں کئی دل میں چھپانے کے لیے  
سب کے سب آنسو نہیں ہوتے یہاں کے لیے

عمر تنہا کاٹ دی وعدہ نبھانے کے لیے  
عہد باندھا تھا کسی نے آزمانے کے لیے

یہ قفس ہے گھر کی زیبائش بڑھانے کے لیے  
یہ پرندے تو نہیں ہیں آشیانے کے لیے



پھر نچل رہے ہیں زمیں پر پڑے ہوئے  
بیرونِ صحن شاخِ ثمر بار دیکھ کر

رنگ اڑ گیا ہے رات کے چہرے کا کیوں عدیم  
سہا ہوا ہوں صبح کے آثار دیکھ کر

یہ چھاؤں تو بدن کو جلانے لگی عدیم  
بیٹھا تھا میں تو سایہ دیوار دیکھ کر



حیراں ہوں سارے شہر کا کردار دیکھ کر  
سب جھک گئے ہیں شاہ کا دربار دیکھ کر

اپنا وطن حنوط لگا لاش کی طرح  
آیا ہوں جب سے مصر کے مینار دیکھ کر

ماتا نہیں کسی کے قدم سے مرا قدم  
چلتا نہیں ہوں وقت کی رفتار دیکھ کر

ہمدردیوں کا بھید ابھی جان مجاؤ گے  
چھوٹی سی ایک آہ ذرا بھر کے دیکھ لو

اس کا حسین ساتھ کہاں اور میں کہاں  
یہ کھیل بھی عدیمِ مقدر کے دیکھ لو

دیدار کی عدیمِ کہاں انتہا کوئی  
بس آج کے لیے اسے جی بھر کے دیکھ لو



تم جی کے دیکھ لو کہ یہاں مَر کے دیکھ لو  
اک بے حسی ہے کچھ بھی یہاں کر کے دیکھ لو

کیسے ہیں لوگ ان کی تمہیں کیا مثال دوں  
جا کر مجھے کہیں پتھر کے دیکھ لو

سارا جہان تم کو ڈرائے گا رات دن  
اک بار تم کسی سے ذرا ڈر کے دیکھ لو

جب دل پہ نیل بن کے دہی خمیں نہ خواہشیں  
یہ تجھ ستم شعار سے پہلے کی بات ہے

کچھ سارباں تھے اور جرس کی صدا بھی تھی  
یہ بادِ ریگدار سے پہلے کی بات ہے

اک کارواں اور ایک تھا محمل بھی درمیاں  
یہ راہ کے غبار سے پہلے کی بات ہے

وہ آہِ دل شگافِ عدیم اور وہ تڑپ  
یہ درد کے خمار سے پہلے کی بات ہے

اک درد تھا کسی کی نشانی دیا ہوا  
لیکن یہ تیرے پیار سے پہلے کی بات ہے

اک آشیاں تھا اس میں پرندے بھی تھے عدیم  
یہ موسمِ بہار سے پہلے کی بات ہے



دریا سے کوہسار سے پہلے کی بات ہے  
انساں ہر اعتبار سے پہلے کی بات ہے

نفرت سے اور پیار سے پہلے کی بات ہے  
یہ تجھ پر اعتبار سے پہلے کی بات ہے

جنبش تھی آنکھ میں بھی بدن میں بھی روح تھی  
یہ بات انتظار سے پہلے کی بات ہے

دل میرے اختیار میں ہوتا تو تھا مگر  
یہ تیرے اختیار سے پہلے کی بات ہے

دیکھ تو کبھی شب کو کارواں ستاروں کا  
نور کے کئی محمل کشاں میں نکلیں گے

بولیاں زمانے کی مختلف تو ہوتی ہیں  
لفظ پیار کے لیکن ہر زباں میں نکلیں گے

کاٹ کر بدن سارا قاش قاش میں جھانکیں  
آپ کے ہیولے ہی قلب و جاں میں نکلیں گے

خاک کا سمندر بھی کیا عجب سمندر ہے  
اس جہاں میں ڈوبیں گے اس جہاں میں نکلیں گے

قصہء سخن گوئی جب عدیم آئے گا  
ہم بھی واقعہ بن کر داستاں میں نکلیں گے

صرف سبز پتے ہی پیڑ پر نہیں ہوتے  
کچھ نہ کچھ پرندے بھی آشیاں میں نکلیں گے



جب بیاں کرو گے تم ہم بیاں میں نکلیں گے  
ہم ہی داستاں بن کر داستاں میں نکلیں گے

عشق ہو محبت ہو پیار ہو کہ چاہت ہو  
ہم تو ہر سمندر کے درمیاں میں نکلیں گے

رات کا اندھیرا ہی رات میں نہیں ہوتا  
چاند اور ستارے بھی آسماں میں نکلیں گے

کر کے وفا پلٹ کے وفا مانگنے لگا  
کیا ظرف تھا گھڑی میں صلہ مانگنے لگا

یہ قحطِ حسن تھا کہ نہایت تھی حسن کی  
ہر شخص اس حسیں کا پتہ مانگنے لگا

اس کی ہتھیلیوں پہ کھلے پھول دیکھ کر  
ہر مہ جبیں کا ہاتھ حنا مانگنے لگا

جب سے اسے عزیز ہوئی میری زندگی  
میں اپنی زندگی کی دعا مانگنے لگا

سینے سے آہ، آنکھ سے آنسو طلب کیے  
غم کا شجر بھی آب و ہوا مانگنے لگا

ہمدردیاں وہ بعد سزا اس نے کیں عدیم  
جو بے خطا تھا وہ بھی سزا مانگنے لگا

حالات اس قدر تھے دگرگوں زمین کے  
آکر زمیں پہ بھیک خدا مانگنے لگا

ہم کسی کے نہ تھے مگر ہم کو  
آپ کے نام کر گئے آنسو

ہر کسی آنکھ نے لگائے دام  
غم کو نیلام کر گئے آنسو

دھند سی چھا گئی ہے آنکھوں میں  
ہر طرف شام کر گئے آنسو

بات میں بھی بہت اثر تھا عدیم  
اور کچھ کام کر گئے آنسو

شاعری صرف شاعری تھی عدیم  
اس کو الہام کر گئے آنسو

○  
رازِ دل عام کر گئے آنسو  
غم کو بدنام کر گئے آنسو

آج اس نے بھی حال پوچھ لیا  
آج تو کام کر گئے آنسو

لوگ پھولوں کے ساتھ پہنچے تھے  
اور ہم تھام کر گئے آنسو

شبِ متاب آفتابِ شام  
ایک چاندی تھی ایک سونا تھا

کیا غضب کر لیا ہے آنکھوں نے  
مجھے تو تجھ سے چھپ کے رونا تھا

ہم نے موتی سمجھ لیے تھے عدیم  
ورنہ دامن کسے بھگوننا تھا

○  
اسے پانا تھا اُس کو کھونا تھا  
یہ بھی ہونا تھا ، وہ بھی ہونا تھا

کتنی دیر اور اس کو رونا تھا  
وہ جو ہونا تھا ، وہ تو ہونا تھا

شاید اس واسطے ملی آنکھیں  
بوجھ کچھ آنسوؤں کا ڈھونا تھا

دل کی گٹھڑی میں باندھ رکھے تھے  
جانے کیسے بکھر گئے آنسو

اپنے غم کی کٹافٹیں تھیں بہت  
اس کے غم سے نکھر گئے آنسو

آج تو غم بہت زیادہ ہے  
آج جانے کدھر گئے آنسو

ضبط سے عہد باندھ رکھا تھا  
اور پھر بھی بکھر گئے آنسو

سیلِ دریا تو کچھ نہیں تھا عدیم  
اپنے طوفاں سے ڈر گئے آنسو

دل کڑا تو بہت کیا تھا عدیم  
وقتِ رخصت بکھر گئے آنسو

○  
خاک پر جب بکھر گئے آنسو  
یہ لگا جیسے مَر گئے آنسو

آج پلکوں کی باڑ پھاند گئے  
آج حد سے گزر گئے آنسو

آسماں بھر گیا ستاروں سے  
غم کی جھولی میں بھر گئے آنسو



رات پہلے ہی کیوں نہیں ڈھلتی  
تیرگی شب کی تا سحر کیوں ہے

یہ بھی کیسا عذاب دے ڈالا  
ہے محبت تو اس قدر کیوں ہے

تو نہیں ہے تو روز و شب کیسے  
شام کیوں آگئی سحر کیوں ہے

کیوں روانہ ہے ہر لھڑی دنیا  
زندگی مستقل سفر کیوں ہے

میں تو اک مستقل مسافر ہوں  
تو بھلا میرا ہمسفر کیوں ہے

تجھے ملنا نہیں کسی سے عدیم  
پھر پچھڑنے کا تجھ کو ڈر کیوں ہے

کوئی پتھر کوئی گھر کیوں ہے  
فرق لوگوں میں اس قدر کیوں ہے

تو ملا ہے تو یہ خیال آیا  
زندگی اتنی مختصر کیوں ہے

جب تجھے لوٹ کر نہیں آنا  
منتظر میری چشم تر کیوں ہے

اس کی آنکھیں کہیں صدف تو نہیں  
اس کا ہر اشک ہی گھر کیوں ہے

کتنے چہرے ہیں حسیں دنیا میں  
کوئی کس کس کو سراہے آخر

چاہنے کی بھی تو حد ہوتی ہے  
دل کہاں تک اسے چاہے آخر

تھک کے بیمار بھی دم توڑ گیا  
کب تک کوئی کراہے آخر

کوئی اتنا تو سراہے آخر  
اس نے وعدے تو نباہے آخر

پھر نہ ملنے کی قسم ٹوٹ گئی  
مل گئے پھر سر راہے آخر

یوں تڑپنا تھا جو مچھلی کی طرح  
تو نے چھوڑا اسے کاہے آخر

ایک پتھر یاد ہے اس کو بہت  
یوں تو پاگل کو کئی پتھر لگے

پھر پتھر جائے ہمیشہ کے لیے  
وہ گلے اک بار تو آ کر لگے

سب میں تھا احساس لیکن اتنا کم  
مجھ کو سارے لوگ ہی پتھر لگے

وصل اس کا میری قسمت میں عدیم  
ڈر لگے مجھ کو بہت ہی ڈر لگے

یہ تو سیدھی بات ہے بالکل عدیم  
حسن وہ جو آنکھ کو بہتر لگے

بے وفا کو گالیاں دیکر عدیم  
یہ لگا شیطان کو کنکر لگے

○  
پہلے اس دہلیز سے تو سر لگے  
پھر اگر لگتی ہے تو ٹھوکر لگے

کیا مجھے آتا ہے رستہ ایک ہی  
یہ تو پھر مجھ کو اسی کا گھر لگے

یہ کہیں رستہ اسی کا تو نہیں  
ہر قدم پر کیوں مجھے ٹھوکر لگے

اک تخیل ، ار پھر تیرا خیال  
پر تو پہلے بھی تھے اب شہر لگے

جب کبھی آہ تقابل کا سوال  
خود سے سارے لوگ ہی بہتر لگے

جس طرح کا بیج ویسا ہی ثمر  
پھل درختوں کو زمیں کو گھر لگے

اس جگہ پر چھاؤں پاتی ہے وجود  
جس جگہ پر دھوپ کو ٹھوکر لگے

ہر درودیوار کی مانگوں دعا  
مجھ کو تو ہر گھر ہی اپنا گھر لگے

بھوک دیکھوں جب کسی کی بھی عداوت  
دانہء گندم مجھے کنکر لگے

پھر وہی دیوار وہ ہی در لگے  
یہ تو پھر مجھ کو اسی کا گھر لگے

گرد سورج کے زمیں گھومی بہت  
اس گلی میں یا مرے چکر لگے

خواہشوں کی جب بھی حد بندی کروں  
دائرے سے ہر کوئی باہر لگے

یہ تو نہیں عروج بہاراں چشیدہ ہوں  
اے موسم خزاں میں ابھی نودمیدہ ہوں

ہنستا ہوں اس لیے کہ تبسم گزیدہ ہوں  
دنیا سمجھ رہی ہے ستم نارسیدہ ہوں

میری صدا جدھر ہے ادھر کی ہوا نہیں  
آواز ہوں ضرور مگر ناشنیدہ ہوں

وہ سامنے ہے پھر بھی مجھے دیکھتا نہیں  
میں آفریدہ ہو کے بھی ناآفریدہ ہوں

اب تک سوالِ ہجر کا سوجھا نہیں جواب  
اک عمر ہو گئی ہے یونہی سر خمیدہ ہوں

ڈر ہے کہ آنسوؤں میں کہیں تو نہ ڈوب جائے  
تو سامنے نہ آ میں ابھی آبدیدہ ہوں

اک آفتابِ ہجر فلک پر ہوا طلوع  
لگتا ہے صد ہزار قیامت چشیدہ ہوں

سب عارضی حروف ہیں تحریرِ وقت کے  
مجھ میں یہ فرق ہے کہ ذرا خط کشیرہ ہوں

دستِ طلب کروں تو بھلا کس طرح دراز  
معلوم ہے مجھے کہ میں دامنِ دریدہ ہوں

دھلتا نہیں نگاہ سے منظرِ جدائی کا  
حالانکہ میں تو شام و سحر آبدیدہ ہوں

چاہوں تو اے خدا تری آنکھیں نہ گن سکوں  
پھر بھی اُچھل کے خود کو دکھانا پڑا مجھے

سات آسماں ہیں گوشِ خدا کی طرح محیط  
پھر بھی بہت ہی شور مچانا پڑا مجھے

میں اتنا بے نیاز نہیں ہوں تری طرح  
تنگ آ کے تیرے سامنے آنا پڑا مجھے

سورج پہنچ سکا نہ اندھیرے تلکِ عدیم  
رات آئی تو چراغِ جلانا پڑا مجھے

○  
کس خود غرض جہان میں آنا پڑا مجھے  
ہاتھ اپنے ہاتھ سے بھی چھڑانا پڑا مجھے

پہلے زمیں کا بوجھ بنایا مرا وجود  
پھر اس زمیں کا بوجھ اُٹھانا پڑا مجھے

تیرے لیے ثناء و عبادت کی کھیتیاں  
اپنے لیے اناج اُگانا پڑا مجھے

کسی بھی دل سے خواہشیں نکال دو گے کس طرح  
کسی جگہ زمیں سے گھر علیحدہ نہیں ہوئے

نظر کو جو بھلا لگا اسی پہ دل چل گیا  
کبھی کہیں دل و نظر علیحدہ نہیں ہوئے

کسی کی آنکھ غم نہیں کسی کو کوئی غم نہیں  
یہ بے حسی ہے کیوں اگر علیحدہ نہیں ہوئے

ذرا سی ایک بوند میں جہاں لرز لرز گیا  
عدیم اشک و چشم تر علیحدہ نہیں ہوئے

فراق و ہجر سے تڑپ نکال دو گے کس طرح  
عدیم بحر سے بھور علیحدہ نہیں ہوئے

عدیم غم عجیب ہیں ازل سے ہی قریب ہیں  
کبھی کسی مقام پر علیحدہ نہیں ہوئے

ملے رہے ہیں عمر بھر علیحدہ نہیں ہوئے  
غموں سے مر گئے مگر علیحدہ نہیں ہوئے

میں کیا کروں کہاں ہنسوں کہاں پر آنکھ نم کروں  
کبھی ہم اس سے پیشتر علیحدہ نہیں ہوئے

ہوا چلی تو یوں چلی کہ آگ اور بڑھ گئی  
الاؤ سے مگر شرر علیحدہ نہیں ہوئے

وہ مرغزار تھا کوئی کہ ریگ زار تھا کوئی  
بہار سے کبھی شجر علیحدہ نہیں ہوئے

روز کتنے کارواں جاتے ہیں سوئے آسمان  
نقش پا ملتا نہیں لیکن کسی رہ گیر کا

درد لکھ کر دیدیے ہیں اس نے سارے ہی عدیم  
اس نے حصہ دے دیا مجھ کو مری جاگیر کا



فیصلہ اس نے سنایا بھی نہیں تقصیر کا  
پڑ گیا ہے دل پہ پہلے ہی نشان زنجیر کا

کوئی کہتا ہے ملیں گے ، کوئی کہتا ہے نہیں  
کچھ پتہ چلتا نہیں ہے خواب کی تعبیر کا

کاغذوں میں تو کوئی احساس کا عنصر نہیں  
رنگ اڑتا جا رہا ہے کیوں تری تحریر کا



پہلے گلاب اس میں دکھائی دیا مجھے  
اب وہ مجھے دکھائی دیا ہے گلاب میں

وہ رنگِ آتشیں ، وہ دکھتا ہوا شباب  
چہرے نے جیسے آگ لگا دی نقاب میں

بارش نے اپنا عکس کہیں دیکھنا نہ ہو  
کیوں آئینے ابھر نے لگے ہیں حباب میں

گردش کی تیزیوں نے اسے نور کر دیا  
مٹی چمک رہی ہے یہی آفتاب میں

اس سنگدل کو میں نے پکارا تو تھا عدیم  
اپنی صدا ہی لوٹ کر آئی جواب میں

شامل تھا یہ ستم بھی کسی کے نصاب میں  
تتلی ملی حنوط پُرانی کتاب میں

دیکھوں گا کس طرح سے کسی کو عذاب میں  
سب کے گناہ ڈال دے میرے حساب میں

پھر بے وفا کو بحرِ محبت سمجھ لیا  
پھر دل کی ناؤ ڈوب گئی ہے سراب میں

ملنا تو خیر اس کو نصیبوں کی یات ہے  
دیکھے ہوئے بھی اس کو زمانہ گزر گیا

دل یوں کٹا ہوا ہے کسی کی جدائی میں  
جیسے کسی زمین سے دریا گزر گیا

اس بات کا ملال بہت ہے مجھے عدیم  
وہ میرے سامنے سے اکیلا گزر گیا

ہم دیکھنے کا ڈھنگ سمجھتے رہے عدیم  
اتنے میں زندگی کا تماشا گزر گیا

باقی بس ایک نامِ خدا رہ گیا عدیم  
سب کچھ بہا کے وقت کا دریا گزر گیا

○  
اک پل بغیر دیکھے اسے کیا گزر گیا  
ایسے لگا کہ ایک زمانہ گزر گیا

سب کے لیے بلند رہے ہاتھ عمر بھر  
اپنے لیے دعاؤں کا لمحہ گزر گیا

کوئی ہجومِ دہر میں کرتا رہا تلاش  
کوئی رہِ حیات سے تنہا گزر گیا

اس کا خلوص دیکھ کر ایسے لگا مجھے  
کردار آ گیا ہے کسی داستان سے

بادل تو سب برس کے سمندر میں بہہ گیا  
برسے گا آسمان ہی اب آسمان سے

تو بے نقاب ہو کے ذرا سامنے تو آ  
شہکار خود نکلنے لگیں گے چٹان سے

سائے میں آ کے بیٹھ گیا تھا وہ مہروش  
کرنیں عدیم اٹھنے لگیں سائبان سے

توڑے نہیں ہیں سنگ تراشے ہیں اب کی بار  
اک جوئے حسن پھوٹ پڑی ہے چٹان سے



سُنی ابھی اُٹھی ہی نہیں تھی دُکان سے  
لروں کی باس آنے لگی بادبان سے

پھر بس کیا چھپا ہے یہ دستِ ہنر سے پوچھ  
آئے گا کیا جواب کسی کو چٹان سے

کیسے ملے؟ کہاں پہ ملے؟ کیوں پھرو گئے؟  
ہم نے تو داستان ہی سنی درمیان سے

یہ فاصلے دلوں کے سمندر کی مثل ہیں  
اس کا مکان تو دور نہیں ہے مکان سے

جو گھاؤ بھر گیا ہے اسے دیکھتے ہو کیا  
تکلیف کا پتہ نہ چلے گا نشان سے

لوگوں کے اشک پونچھ کر ایسے لگا عذیم  
خوشیاں خرید لی ہیں غموں کی دکان سے



نکلے گی جب بھی روح بدن کی کمان سے  
حائے گا تیر دور بہت آسمان سے

یہ بارِ خاک تن سے اترنے تو دو ذرا  
حیرت میں ڈوب جاؤ گے اس کی اڑان سے

کتنے گواہ قتلِ وفا کے تھے چشم دید  
اک لفظ بھی نہ نکلا کسی کی زبان سے

یہ ہجر ہے تو اس کا فقط وصل ہے علاج  
ہم نے یہ زخم وقت کو بھرنے نہیں دیا

اتنے بڑے جہان میں جائے گا تو کہاں  
اس اک خیال نے مجھے مرنے نہیں دیا

ساحل دکھائی دے تو رہا تھا بہت قریب  
کشتی کو راستہ ہی بھسور نے نہیں دیا

جتنا سکون ملا ہے ترے ساتھ راہ میں  
اتنا سکون تو مجھے گھر نے نہیں دیا

اس نے ہنسی میں محبت کی بات کی  
میں نے عدیم اس کو مکر نے نہیں دیا

آنکھوں میں آنسوؤں کو اُبھرنے نہیں دیا  
مٹی میں موتیوں کو بکھرنے نہیں دیا

جس راہ پر پڑے تھے ترے پاؤں کے نشاں  
اس راہ سے کسی کو گزرنے نہیں دیا

چاہا تو چاہتوں کی حدوں سے گزر گئے  
نشہ محبتوں کا اُترنے نہیں دیا

ہر بار ہے نیا ترے ملنے کا ذائقہ  
ایسا ثمر کسی بھی شجر نے نہیں دیا

موتیوں جیسے ہیں آنسو پھول جیسی ہے ہنسی  
کونسا رخ سامنے رکھوں تری تصویر کا

وہ جہاں کچھ بھی نہیں ہے اس کی یادوں کے سوا  
ہے وہی تو قیمتی حصہ مری جاگیر کا

جب محبت کا محل اپنا اسارا ہے عدیم  
کیا کوئی ارباں رہے دل میں کسی تعمیر کا

جو نصیبوں میں نہیں میں وہ ذرا لے لوں عدیم  
وہ تو مل ہی جائے گا حصہ ہے جو تقدیر کا

خط چھپے گا کس طرح سے محرم دل گیر کا  
لفظ ہر اک بولتا ہے پیار کی تحریر کا

ہے یہی جنت مجھے حصہ مری جاگیر کا  
شاخ اک زیتون کی اور اک شجر انجیر کا

تیرے چہرے کا تاثر، تیری آنکھوں کا خمار  
حسن ایسا تو نہیں ہے وادی کشمیر کا

کیوں کسی نے کسی کو چھوڑ دیا  
پھر وہی واقعہ پُرانا کیوں

اجنبیت میں یہ تڑپ تو نہ تھی  
سوچتا ہوں کہ اس کو جانا کیوں

اب تو اس کا کوئی علاج نہیں  
تو نے دل کا کہا ہی مانا کیوں

قربتیں کیوں نہ تھیں مقدر میں  
لے گیا دور آب و دانہ کیوں



منزلوں کا پتہ لگانا کیوں  
ہے مسافر تو پھر ٹھکانہ کیوں

راستے میں اگر بچھڑنا ہے  
پھر قدم سے قدم ملانا کیوں

جسے احساس ہی نہیں کوئی  
حال دل کا اسے سنانا کیوں

یہ راہ کی نہیں ، یہ مقدر کی بات ہے  
منزل چنی ہے جو وہی منزل کڑی ہوئی

سن تو سہی ہوائے خزاں دیکھ تو سہی  
کیا کہہ رہی ہے پھول کی پتی جھڑی ہوئی

سو سال بھی تو لمحہ بہ لمحہ بڑے ہوئے  
یہ عمر اس طرح بھی گھڑی کی گھڑی ہوئی

اک پل میں جو ہے دوسرے پل میں نہیں ہے وہ  
ہر اک گھڑی میں عمر ذرا سی بڑی ہوئی

پہلے ہی کہی کو چھپانا محال تھا  
اک سال اور عمر ہماری بڑی ہوئی

تارے فلک پہ آنکھ میں آنسو وصال کے  
یہ رات موتیوں سے ہے ساری جڑی ہوئی

بارش ہے آنسوؤں کی زمیں پر جھڑی ہوئی  
پھر بھی ہے دل میں درد کی ندی چڑھی ہوئی

باقی تمام عمر بچھڑنے کی بات تھی  
ملنے کی گفتگو تو گھڑی دو گھڑی ہوئی

یہ راہ تو چنی تھی جدائی کے واسطے  
یہ آرزوئے وصل کہاں آکھڑی ہوئی



اس کے لیے تو راہ وفا چاہیے عدیم  
ہر راہ میں نہیں ہے محبت پڑی ہوئی

کس کی مجال ارض و سما کو ہلا سکے  
جو چیز جس جگہ تھی وہیں ہے پڑی ہوئی

ذوقِ سخن پہ ناز یونہی تو نہیں عدیم  
ہم نے بھی میرزا کی غزل ہے پڑھی ہوئی

نظریں پڑیں ذرا سی تری کائنات پر  
دیکھی ، بنا بغیر عمارت کھڑی ہوئی

آدم ہے ایک نوعِ بشر مختلف عدیم  
سچی ہے بات پھر بھی لگی ہے گھڑی ہوئی



کیسی بھلا یہ برہمی کیسا یہ پیچ و تاب ہے  
جیسا ترا سوال ہے ویسا مرا جواب ہے

تو ہے فلک تو میں زمیں یہ تو نہیں کہ میں نہیں  
ذرہ خاک میں بھی ہوں تو اگر آفتاب ہے

گھر سے چلی ہے خبرو ایک ہجوم چار سو  
رنگ ہے یا سزا کوئی حسن ہے یا عذاب ہے

ملتے رہیں تو زندگی گنتی کی چار ساعتیں  
مجھڑیں تو ایک ایک پل مدتِ بے حساب ہے

عمرِ درازِ ہجر سے وصل کا ایک پل بہت  
اتنی گھڑی تو مل مجھے جتنی گھڑی حباب ہے

پھول وہی چمن وہی، سارا ہی باغین وہی  
ایک ہی شاخ پر کوئی کانٹا، کوئی گلاب ہے

ایک سا ہے مقابلہ دونوں میں کوئی کم نہیں  
جیسی حسین آنکھ ہے ویسا حسین خواب ہے

دنیا میں کون کون ہے یہ تو ذرا بتائیے  
سارے جہاں کے لب پہ ہے دنیا بڑی خراب ہے

شاخِ گلاب پر عدیم لگتے ہیں دل کھلے ہوئے  
صحنِ بدن میں دل عدیم لگتا ہے اک گلاب ہے

اشکوں کی اک طرف عدیم ڈوٹی ہوئی ہے چشمِ تر  
اشکوں کی دوسری طرف ہر کوئی زیرِ آب ہے



زندگی صرف اسی دھن میں گزراے جائیں  
بس ترا نام، ترا نام پکارے جائیں

جب یہ طے ہے کہ یہاں کوئی نہیں آئے گا  
کس کی خاطر در و دیوار سنوارے جائیں

ایک تھہ تک نہ پہنچ پائے مرے درد کی آنچ  
آسمان تک تو مرے غم کے شرارے جائیں

بزمِ احباب تو تصویر کا اک رخ ہے عذیم  
اس میں دشمن بھی تو دو چار ہمارے جائیں

وصل کے بعد محبت کی سزا ٹھیک عذیم  
مارے جائیں بھی تو کیوں مفت میں مارے جائیں

جب ملاقات نہ تھی تب تو کوئی بات نہ تھی  
اب یہ تنہائی کے دن کیسے گزارے جائیں

یہاں غمخوار نہیں ہے وہاں آزار نہیں  
کس جہاں میں یہ ترے درد کے مارے جائیں

میں اندھیروں میں نہیں میں تو وہاں جاؤں گا  
وہ جہاں ساتھ مرے چاند ستارے جائیں

جیت کر تو کہیں لے جائے مسلسل ہم کو  
اور ہم روز تری چاہ میں ہارے جائیں

مرگِ جاں گر نہ سہی مرگِ محبت ہی سہی  
زندگی کچھ تو ترا قرض اُتارے جائیں

فاصلوں سے نہ ہوا جوشِ محبت کا علاج  
یہ تو کچھ اور بھی جڑیوں کو اُبھارے جائیں

اک بار اس کو رو کے بہت یاد کر لیا  
پھر اس کے بعد وہ کبھی آیا نہ خواب میں

تو یہ تو دیکھ میں نے تجھے منتخب کیا  
کتنا جفا پسند ہوں میں انتخاب میں

سوئے فلک اٹھائی نظر اس نے کیا عدیم  
اپنا ہی عکس دیکھ لیا ماہتاب میں

○

وہ جس نے کچھ کہا ہی نہیں تھا جواب میں  
چہرہ وہی دکھائی دیا ہے گلاب میں

دیکھا ہے جتنی بار بھی اس کو حجاب میں  
ایسے لگا کہ پھول کھلا ہے نقاب میں

شامل کبھی ہوئی تھی جدائی نصاب میں  
سمے ہوئے ہیں لفظ ابھی تک کتاب میں

لوحِ جہیں پہ اس طرح نکلیں مسافیتیں  
اتنا چلے کہ راستے اپنا نصیب ہو گئے

شدتِ غم کو دیکھ کر غم کو بھی رحم آ گیا  
وہ جو کبھی رقیب تھے وہ بھی حبیب ہو گئے

ہم سے عدیم فیصلے کتنے عجیب ہو گئے  
رکھنا تھا جن سے فاصلہ ان کے قریب ہو گئے

اس کی رفاقتوں سے ہم کتنے امیر تھے عدیم  
وہ جو پچھڑ گیا تو ہم کتنے غریب ہو گئے



اپنے ہی دست و پاؤں سے اپنے رقیب ہو گئے  
تیرے بغیر پھیل کر بازو صلیب ہو گئے

کوئی ہنسا تو رو پڑے رویا تو مسکرا دیے  
اب کے تیری جدائی میں ہم تو عجیب ہو گئے

آج بھی دیکھ دیکھ کر وعدے کا دن گزر گیا  
آج بھی پھیل پھیل کر سائے مہیب ہو گئے

جب اسے چاہا تو چاہا ہر طرح کے حال میں  
ہر طرح کا حسن دیکھا اس کے خد و خال میں

چل رہی ہے یہ زمیں زنداں کی چکی کی طرح  
پس رہے ہیں لوگ کیا کیا اس کے ماہ و سال میں

مثل ماہی وقت کے ہاتھوں سے پھسلی تو بہت  
پھنس گئی آکر جوانی جھریوں کے جال میں

انتہاؤں پر رہے ہم درمیاں ٹھہرے نہیں  
آسمان کی اوج پر یا گر گئے پاتال میں

یہ بھی کیا انصاف ہے اے منصف وصل و فراق  
اس کی آدھی بھی جھلک دیکھی نہ پورے سال میں

ابتداء سے حشر تک سب تین پنجروں میں ہیں قید  
کوئی ماضی، کوئی مستقبل میں، کوئی حال میں

تین سو پینسٹھ درتپے وقف سورج کے لیے  
چاند کی خاطر بنی بارہ دری ہر سال میں

میں نے سوچا تھا کسی کو میں بھی دھوکہ دوں عدیم  
شکل اپنی ہی نظر آئی سبھی اشکال میں

عذر باقی چال میں ہے قید گو باقی نہیں  
پاؤں عادی ہو گیا ہے اس قدر زنجیر کا

آگئی کشتی بھٹک کر آب سے سوئے سراب  
بھر گیا ریگ رواں سے جال ماہی گیر کا

بات چھوٹی تو نہیں تجھ سے بچھڑنے کی ہے بات  
فیصلہ تسلیم کر لوں کس طرح تقدیر کا

یار لوگوں نے اسے کتبہ بنا ڈالا عدیم  
آخری پتھر چا جو عمر کی تعمیر کا

دوستوں سے بھی تعلق بن گیا ہے وہ عدیم  
جو تعلق ہے کسی شمشیر سے شمشیر کا

زہر کی آنکھوں میں روشن صورتیں دو ہیں عدیم  
شکل اک سقراط کی اور ایک چہرہ ہیر کا



چل دیا وہ دیکھ کر پہلو مری تفصیر کا  
دوسرا رخ اس نے دیکھا ہی نہیں تصویر کا

باقی سارے خط پہ دھبے آنسوؤں کے رہ گئے  
ایک ہی جملہ پڑھا میں نے تری تحریر کا

تو نے کیسے لفظ ہونٹوں کی کماں میں کس لیے  
اتنا گہرا گھاؤ تو ہوتا نہیں ہے تیر کا

کچھ لوگ جن کو فخرِ زیاں دے دیا گیا  
کچھ وہ ہیں جن کو سارا جہاں دے دیا گیا

دل کی محبتوں کا بہاؤ ہے جس طرح  
دریا ہے، جس کو آبِ رواں دے دیا گیا

آنکھوں کو سامنے کے علاقے دیئے گئے  
دل کو چھپا ہوا بھی جہاں دے دیا گیا

اظہارِ عشق وہ بھی بروئے ستمگراں  
کوہِ گراں کو سنگِ گراں دے دیا گیا

جیسے ہرے شجر کو لگا دی گئی ہو آگ  
کچھ اس طرح کا دل کو دھواں دے دیا گیا

پتھر دے نہیں، وہ بات پتھر دینے کی یاد ہے  
گھاؤ نہیں دیا ہے، نشاں دے دیا گیا

رہتا کسے عدیم بہاروں کا انتظار  
اچھا ہوا کہ عہدِ خزاں دے دیا گیا

روزِ حساب، خوفِ حساب اس کو ہے عدیم  
وہ جس کو فخرِ سود و زیاں دے دیا گیا



منظر میں میں بھی ہوں تو محبت کی ہے کمی  
میری جگہ بھی کاش مجھے تُو دکھائی دے

میں یہ بھی تیرے حسن کا پہلو دکھا سکوں  
اے کاش تیرے وصل کی خوشبو دکھائی دے

سب کو پکارتا ہوں اسی نام سے عدیم  
میں کیا کروں کہ وہ مجھے ہر سو دکھائی دے

وہ ایک ہے تو دل کا سنھلنا محال ہے  
کیا ہو اگر مجھے وہ لبِ جو دکھائی دے

آنکھوں کو تیری آنکھ کا جادو دکھائی دے  
تیری طرح ہی دشت میں آہو دکھائی دے

یہ کیا ترے وصال کا پہلو دکھائی دے  
یہ میں دکھائی دوں کہ مجھے تُو دکھائی دے

مٹھی کی کائنات میں جگنو بھی آفتاب  
سورج بھی کائنات میں جگنو دکھائی دے

اک ایسے موڑ پہ دونوں کو جب پتھر ٹٹا تھا  
تعلقات ہوئے تو کہاں محال ہوئے

مرے نصیب نے گرد آشنا اسے بھی کیا  
جو پھول اس نے دیئے وہ بھی پائمال ہوئے

نہیں کہ ہاتھ کسی نے کبھی نہیں تھما  
پر ایسے لوگ زمانے میں خال خال ہوئے

کوئی کمال نہیں تھا ہماری قسمت میں  
ہم اس لیے تو زمانے میں لازوال ہوئے

سخن وری میں نصیبوں کا ہاتھ بھی ہے عدیم  
کئے کمال تو سہواً بھی کچھ کمال ہوئے



بڑی سی عمر ہوئی دودھیا سے بال ہوئے  
وہ اتنا پیارا ہوا جتنے ماہ و سال ہوئے

کئی جواب دیئے اور کئی سوال ہوئے  
نہیں ہوئے وہ نہیں آشنائے حال ہوئے

اسے بھی وقت کی مٹی نے گرد پوش کیا  
لباس جس کے زمانے میں بے مثال ہوئے

میں نے مجسمے کو ترے نقش کیا دیئے  
پتھر ذرا سی دیر میں شہکار بن گیا

ایسے عدیم آنسو خوشی میں رواں ہوئے  
جیسے کہ موتیوں کا کوئی ہار بن گیا

مصلوب اور صلیب گلے مل گئے عدیم  
اک لازوال وصل سرِ دار بن گیا



اک میں ، اور اس پہ وہ بھی مرایا بن گیا  
دیوار پر بھی سایہ دیوار بن گیا

اس نے تو مجھ پہ کھول دیا تھا درِ وصال  
اپنا ضمیر راہ کی دیوار بن گیا

سب ایک ہی نظر سے اسے دیکھنے لگے  
لگتا ہے سب کا ایک ہی کردار بن گیا

ہوٹا تھا یہ مذاق بھی اک دن جنوں کے ساتھ  
دل بھی عدیم صاحبِ کردار بن گیا

شاید مجھے ہی دیکھ کے دنیا سنبھل سکے  
میں اس لیے عدیم گنگار بن گیا

پہلے فلک پہ نور کا مینار بن گیا  
پھر اس زمیں پہ سایہء دیوار بن گیا

ماتھے پہ دل کے حال کی سرخی لکھی گئی  
انساں نہ میں ہوا کوئی اخبار بن گیا

جس دن سے میں نے نرغ و فا کے بڑھادیئے  
سارا ہی شہر میرا خریدار بن گیا

ہر کوئی کر کے آنکھ غم مجھ کو سنا رہا ہے غم  
لگتا ہے سب جہاں کے غم میرے لیے ہی رہ گئے

ہم سے بتا جہانِ غم کیا تجھے اور چاہیے  
سننا بھی جو محال تھے ہم تو وہ غم بھی سہہ گئے

کہنے لگے کہ دوستی صرف نہیں ہے زندگی  
لوگ عجیب تو نہ تھے بات عجیب کہہ گئے



غم بھی وہیں پہ رہ گیا ہم بھی وہیں پہ رہ گئے  
دامنِ چشم سے مگر آنسو تمام بہہ گئے

اس نے بھی کچھ نہیں کہا ہم نے بھی کچھ نہیں کہا  
وہ بھی غموں کو سہہ گیا ہم بھی غموں کو سہہ گئے

چاروں طرف جہان میں جس پہ سزائے ہجر تھی  
وہ بھی وہ بات کہہ گیا ہم بھی وہ بات کہہ گئے

حسن تھا اور عشق تھا نام نہیں تھا خوف کا  
سارے جہاں کے سامنے ساری ہی بات کہہ گئے

دنیا غرض کی راہ سے آگے بہت نکل گئی  
ہم کہ جو بے غرض بنے پیچھے بہت ہی رہ گئے

چاند سے اس زمین کو کتنی ہی چاندنی ملی  
اور زمیں کے سائے میں کتنے ہی چاند گم گئے



زندہ عدیم رہ گئے ہم تھے جو غم کو سہہ گئے  
ورنہ تو سنگ کوہ کے پانی کے سنگ بہہ گئے

جو نہ کسی نے بھی کہا ہم اسے وہ بھی کہہ گئے  
بات کوئی نہ تھی مگر رنج کی رو میں بہہ گئے

اہل جمال و حسن کے پہلے کئی حجاب تھے  
عشق و جنوں کے سامنے اور بھی تم بہ تمہ گئے

کہیں آنکھوں کی نمی راز نہ افشا کر دے  
میں نے منہ پھیر لیا تو جو ذرا یاد آیا

سارے فنکار اٹھالائے تھے شہکاروں کو  
اور میں تھا مجھے اندازِ ترا یاد آیا

کتنی دنیا تھی مرے گرد تجھے کیا معلوم  
بڑی مشکل سے مجھے تیرا پتہ یاد آیا

تیرے دامن میں نمی اتنی زیادہ کیوں ہے  
کونسا پھول تجھے بادِ صبا یاد آیا

جب کسی کو کوئی امید وفاؤں کی نہ تھی  
مجھے اس پلِ ترا پیمانِ وفا یاد آیا

قدم اٹھتے تھے کہاں سوئے حرم اپنے عذیم  
آج مشکل نظر آئی تو خدا یاد آیا

کس حوالے سے مجھے کس کا پتہ یاد آیا  
حسنِ کافر کو جو دیکھا تو خدا یاد آیا

ایک ٹوٹا ہوا پیمانِ وفا یاد آیا  
یاد آیا بھی مجھے آج تو کیا یاد آیا

شام کے ہاتھ نے جس وقت لگالی ہندی  
مجھے اس وقتِ ترا رنگِ حنا یاد آیا

○  
غم ہے وہیں پہ غم کا سہارا گزر گیا  
دریا ٹھہر گیا ہے کنارہ گزر گیا

بس یہ سفر حیات کا ، اتنی سی زندگی  
کیوں اتنی جلدی راستہ سارا گزر گیا

وہ جس کی روشنی سے چمکنا تھا نخت کو  
کس آسمان سے وہ ستارہ گزر گیا

کیا ذکر اس گھڑی کا کڑی تھی کہ سسل تھی  
جو وقت جس طرح بھی گزارا ، گزر گیا

تفہیم دوستی میں بڑی بھول ہو گئی  
پھر دور سے ہی دوست ہمارا گزر گیا

کر کے یقین پھر سے ، کہ میں مشکلوں میں ہوں  
ٹھہرا نہیں وہ شخص دوبارہ گزر گیا

اک وقت خوش نصیب سا آیا تو تھا عدیم  
مدھم سی اک صدا میں پکارا گزر گیا

مجرم ہوا تھا آنکھ جھپکنے کا میں عدیم  
جو ذہن میں بسا تھا نظارہ گزر گیا



دونوں کی کبھی نبھ نہ سکی عمر بتا دی  
روٹھے ہی رہے ہیں مری تقدیر بھی، میں بھی

ہم ساتھ رہے جرمِ وفا جب بھی ہوا ہے  
تقصیر بھی، تقدیر بھی، زنجیر بھی، میں بھی



طالب ہیں ترے عدل کے زنجیر بھی، میں بھی  
حاضر دل صد چاک بھی ہے، تیر بھی، میں بھی

پھر جرمِ محبت کی سزا کی ہے سماعت  
پھر ایک کٹہرے میں ہیں تقصیر بھی، میں بھی

قیدی ہیں نہ آزاد نہ مربوط نہ بے ربط  
اک عمر سے مشکل میں ہیں زنجیر بھی، میں بھی



قسمت سے کوئی رابطہ نہ تھا لوحِ جنیں کا  
دولت رہے ہیں مری تقدیر بھی، میں بھی

وہ حسن! کہ الفاظ کے بس میں ہی نہیں ہے  
حیرت میں پڑے ہیں مری تحریر بھی، میں بھی



پھر جرمِ محبت بھی ہے تعذیر بھی، میں بھی  
بیتاب ہیں پھر قید بھی، زنجیر بھی، میں بھی

تم مجھ سے ملو یا مرا لکھا ہوا پڑھ لو  
ہم ایک طرح ہیں مری تحریر بھی، میں بھی

منزل تھی کسی پاؤں کے نیچے کہیں مٹی  
کہنے کو تو ہمراہ تھے رہ گیر بھی، میں بھی



آج لگتا ہے تعلق مٹ گیا پوری طرح  
آج اُس نے دیکھ کر بھی مجھ کو پہچانا نہ تھا

میں تری صورت لیے سارے زمانے میں پھرا  
ساری دنیا میں مگر کوئی ترے جیسا نہ تھا

آج ملنے کی خوشی میں صرف میں جاگا نہیں  
تیری آنکھوں سے بھی لگتا ہے کہ تُو سویا نہیں

مصلحت نے اجنبی ہم کو بنایا تھا عدیم  
ورنہ کب اک دوسرے کو ہم نے پہچانا نہ تھا

یاد کر کے اور بھی تکلیف ہوتی تھی عدیم  
بھول جانے کے سوا اب کوئی بھی چارہ نہ تھا



فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا  
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا

وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چار سو  
میں اُسے محسوس کر سکتا تھا چھو سکتا نہ تھا

رات بھر پچھلی ہی آہٹ کان میں آتی رہی  
جھانک کر دیکھا گلی میں کوئی بھی آیا نہ تھا

یہ سبھی دیرانیاں اس کے جدا ہونے سے تھیں  
آنکھ دُھندلائی ہوئی تھی شہر دُھندلایا نہ تھا

آج اس نے درد بھی اپنے غلجہ \* کر لیے  
آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا

\* غلجہ ہمارے یہاں جیسے بولا جاتا ہے میں نے ویسے ہی استعمال کیا ہے لکھا بھی ”اے“ کے بغیر ہے

آ کے دیکھو مقابل ہمارے ذرا ، ایسے ویسے تو ہم بھی جواری نہیں  
تم دل و جان جیتے چلے جاؤ گے ، ہم دل و جان ہارے چلے جائیں گے

وہ حسین ہے عدیم اس کا منصب ہے یہ قتل کرتا رہے مسکراتا رہے  
تم بھی جان اس پہ وارے چلے جاؤ گے ، ہم بھی جان اس پہ وارے چلے جائیں گے



تم بھی اپنے سارے چلے جاؤ گے ، ہم بھی اپنے سارے چلے جائیں گے  
جو مزہ راستہ مل کے چلنے میں ہے ، وہ مزے بھی تو سارے چلے جائیں گے

مل کے چلنے سے منزل نہ کوئی ملے ، مل کے چلنے سے رستہ تو کٹ جائے گا  
تم ہمارے سارے چلے جاؤ گے ، ہم تمہارے سارے چلے جائیں گے

کوئی جو بھی لے کوئی جو بھی کرے ، دل میں طوفاں محبت کے رکتے نہیں  
تم بھی ہم کو پھرے چلے جاؤ گے ، ہم بھی تم کو پھارے چلے جائیں گے

کیسی دنیا میں آ کے بسیرا کیا ، مل کے بھی جس میں ہوتا ہے سب کو جدا  
تیرے پیارے بھی سارے چلے جائیں گے میرے پیارے بھی سارے چلے جائیں گے

رات ٹھہرو ذرا رات ٹھہرو ابھی ، دو گھڑی اور اندھیرا ذرا روک نو  
ڈھونڈنا ہے مقدر کا تارا ہمیں ، دن ہوا تو ستارے چلے جائیں گے

تم نہ آؤ تو کیا بھول جاؤ تو کیا ، ہم کو جتنا بھی جینا ہے جینا تو ہے  
دوستی جو نہیں زندگی ہی سہی ، زندگی ہی گزارے چلے جائیں گے



تم گئے ساری محفل اُجڑ جائے گی لوگ سارے کے سارے چلے جائیں گے  
ہم محبت کے ماروں کا ڈر ہے اگر ہم محبت کے مارے چلے جائیں گے

پیارے دل کے نصیبوں میں ہے تو رہے پیاس کا اور پانی کا رشتہ تو ہے  
کوئی شکوہ ہے لہروں کو ہم سے اگر ہم کنارے کنارے چلے جائیں گے

قرض تم اپنی چاہت کا دو یا نہ دو ہم تو اپنی محبت کے مقروض ہیں  
تم پس کے پکارو نہ ہم کو مگر ہم تمہی کو پکارے چلے جائیں گے

ترے حسن سے یہ پتہ چلا تجھے دیکھ کر یہ خبر ہوئی  
جہاں راستہ ہی نہیں کوئی وہاں رہ نورد ہے کس لیے

جو لکھا ہے میرے نصیب میں کہیں تُو نے پڑھ تو نہیں لیا  
ترا باتھ سرد ہے کس لیے ترا رنگ زرد ہے کس لیے

وہ جو ترک ربط کا عہد تھا کہیں ٹوٹنے تو نہیں لگا  
ترے دل کے درد کو دیکھ کر مرے دل میں درد ہے کس لیے

کوئی واسطہ جو نہیں رہا، تری آنکھ میں یہ نمی ہے کیوں  
مرے غم کی آگ کو دیکھ کر، تری آہ سرد ہے کس لیے

اُسی ایک فرد کے واسطے میرے دل میں درد ہے کس لیے  
مری زندگی کا مطالبہ وہی ایک شخص ہے کس لیے

تو جو شہر میں ہی مقیم ہے تو مسافرت کی فضا ہے کیوں  
ترا کارواں جو نہیں گیا تو ہوا میں گرد ہے کس لیے

نہ جمال و حسن کی بزم ہے نہ جنوں و عشق کا عزم ہے  
سردشت رقص میں ہر گھڑی کوئی بادِ سرد ہے کس لیے

جب وہ جا چکا کہیں جب وہ آئے گا نہیں  
کیوں کھلا ہوا ہے در اے عدیم ہاشمی

رہ گزر ہی رہ گزر رہ گئی مرے لیے  
منزلیں گئیں کدھر اے عدیم ہاشمی

تیری سب مسافتیں کس کے کام آئیں گی  
کیا ہوا وہ ہمسفر اے عدیم ہاشمی

جس کو چھوڑ ہی دیا اس کا ذکر کیا عدیم  
اور کوئی بات کر اے عدیم ہاشمی



کیوں اُداس ہیں شجر اے عدیم ہاشمی  
کون لے گیا ثمر اے عدیم ہاشمی

گھومتا ہے تو کدھر اے عدیم ہاشمی  
راہ دیکھتا ہے گھر اے عدیم ہاشمی

طیش اور اس قدر اے عدیم ہاشمی  
کچھ خدا کا خوف کر اے عدیم ہاشمی